رویت ہلال کی ضرورت

عبد القدوس ہاشمی

قمری مہینوں کے لئے ابتداء کی تعیین کا مسئلہ ایک مدت سے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ رمضان شریف کی ابتداء، عیدالفطر کے دن کی تعیین، اور حج کی تاریخ کا معین کرنا ایک مسئلہ ہے جس پر بڑی مدت سے بحث ہو رہی ہے۔ بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس کو اسی طرح قایم رکھا جائے جیسے عہد رسالت سے اب تک قایم ہے۔ اور بعض یہ چاہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک دوامی کلینڈر شمسی مہینوں کی طرح بنالیا جائے۔ اس طرح ایک ہی وقت میں ہر جگہ رمضان شروع ہوگا۔ ایک ہی دن سب جگہ عید ہوا کرے گی، اور یہ بات ختم ہوجائے گی کہ مختلف ملکوں بلکہ مختلف شہروں یا ایک ہی شہر کے مختلف حصوں میں رمضان کی ابتداء مختلف دنوں میں ہو، اور عید کی نماز مختلف دنوں میں ادا کی جائے۔

یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ بڑا قدیم مسئلہ ہے، تیسری صدی ہجری سے اس کی بار بار کوششیں ہوتی رہی ہیں، اور قوت و سلطنت کے بل بوتے پر فاطمی خلفائے مصر نے ایک ایسا کلینڈر بنا بھی لیا تھا جو اب تک ان لوگوں میں جاری ہے جو ان خلفاء کو مذہبی پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کا درجہ دیتے ہیں۔ سائنس اور فلکیات میں علم انسانی کی جدید ترقیاں بہت ہی قابل قدر ہیں۔ اور یقیناً بہت سی باتیں جو اب ہمیں معلوم ہیں پہلے معلوم نہ تھیں، لیکن اس سے یہ قیاس کر لینا صحیح نہیں ہے کہ منازل قمر اور چاند کی زمین کے گرد گردش بھی آج معلوم ہوئی ہیں۔ چاند کی زمین کے گرد گردش اور منازل قمر کے حسابات ہجری تاریخ کی تعیین

سے ہزاروں سال پہلے بابلی تمدن کے زمانہ ہی میں انسانوں نے معلوم کرلئے تھے اور بالکل صحیح طور پر حساب لگالیا گیا تھا کہ چاند کب شروع ہوتا ہے، کب دکھائی دیتا ہے اور کب محاق میں آکر ناقابل دید ہوجاتا ہے۔ ہندوستانی ماہر فلکیات نے بھی بابل کے بعد اس پر قابل قدر کام کیا تھا۔ اور پیدائش قمر، ظہور قمر، نچھتر، محاق وغیرہ کا صحیح حساب لگا لیا تھا۔ قرآن مجید کے نزول (تقریباً ۶۱۰ء۔۶۳۲ء) سے ہزاروں ہی سال پہلے سے انسانی علم پیدایش قمر ظہور قمر (چندرسان دوج) اور منازل قمر وغیرہ کی تعیین کر چکا تھا۔ قرآن مجید میں بھی منازل قمر کا ذکر سورۂ یونس کی پانچویں آیت میں موجود ہے۔ عہد صحابہ کے مسلمان بھی اس سے بالکل ناواقف نہ تھے۔ اس کا ثبوت بھی قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے مل جاتا ہے۔ اور جاھلی اشعار و ضرب الامثال سے بھی اس کا پتہ لگتا ہے۔

غرض یہ کہ اب تک جو یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکا تو اس کی وجہ چاند کے طلوع و غروب سے متعلق انسانی علم کا فقدان نہ تھا۔ آج کے اتنا نہ سہی، لیکن اسقدر علم انسان کو حاصل ہوچکا تھا کہ وہ حساب کے ذریعہ اس کی تعیین کرسکتا تھا اور مسلمان ماہرین نے عملاً مختلف اوقات میں اس کے لئے زیچین بنائیں بھی۔ مگر رمضان و عید کے لئے ان کو عام طور پر قبول نہ کیا جاسکا۔ اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں، ہم اس جگہ ان میں سے چند وجوہ و اسباب کا مختصر ذکر کرتے ہیں:

(۱) کیا یہ ضروری ہے یا کم از کم یہ کوئی بڑا ہی اہم اور مفید کام ہوگا کہ ساری دنیا میں رمضان ایک ہی وقت میں شروع کیا جائے اور عیدالفطر ایک ہی وقت میں ہوا کرے؟

اس سوال کے جواب میں ہمیشہ یہ کہا گیا ہے۔ اور آج بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ محض طفلانہ ضد یا بال ہٹ ہے۔ نہ یہ ممکن ہے اور نہ

اس سے کوئی غیر معمولی فائدہ حاصل ہوگا۔ رمضان کے روزے اور عیدالفطر کی نماز عبادت ہے اور عبادات میں وقت کی تعیین مقامی طلوع و غروب کے مطابق ہوتی ہے۔ نہ مسلمانوں کے لئے یہ ممکن ہے اور نہ عیسائیوں اور دوسرے مذاہب والوں کے لئے۔ نہ قمری کلینڈر سے یہ ہوسکتا ہے اور نہ شمسی کلینڈر سے۔ طلوع و غروب کا فرق مختلف مقامات کے مابین بالکل واضح اور صریحاً حسی ہے۔ مکہ مکرمہ سارے مسلمانوں کا مرکزی شہر ہے۔ لیکن جس وقت وہاں صبح کی نماز ہوتی ہے، اس وقت جاکرتا (انڈونیشیا) کے مسلمان صبح کی نماز نہیں پڑھ سکتے کیوں کہ جاکرتا میں اس وقت آفتاب کافی بلند ہو چکتا ہے۔ اور سان فرانسسکو کے مسلمان تو شاید عشا کی نماز سے بھی فارغ نہ ہوچکے ہوں گے۔ اور تو اور مسلمانوں کے دو مقدس ترین شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو صرف ۲۴۷ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں صبح کی اذان ایک ہی وقت میں نہیں ہوتی اور نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح عیسائیوں کی مذہبی تقریب عشائے ربانی جس وقت شہر کینبرا میں منعقد ہوتی ہے، اسی وقت لندن یا ڈبلن میں نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیپ ٹاؤن کے عیسائی جس وقت کرسمس کی عبادت کے لئے گرجاؤں میں جمع ہوتے ہیں، سان فرنسسکو یا وینزولا کے عیسائی نہیں جمع ہوتے اور نہیں ہوسکتے۔ کسی نقشۂ عالم میں دیکھ لیجئے، ۱۸۰ درجہ کے خط عرض البلد سے ایک طرف اتوار اور دوسری طرف پیر (سوموار) لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ طلوع و غروب کے فرق سے دو مقامات کے اوقات میں بارہ گھنٹے تک اختلاف ہوجاتا ہے۔

بالکل یہی حال دوسری قوموں کی عبادت کا ہے۔ بنارس کا ایک ہندو جس وقت شنکرانت کا اوپاس شروع کرتا ہے ڈربن یا کیپ ٹاؤن میں رہنے والا

ہندو ٹھیک اسی وقت اوپاس نہیں شروع کر سکتا۔

یہودی تو بہت ہی سخت تنظیم رکھنے والی قوم ہے اور حساب کتاب میں بھی اس کا درجہ بہت بلند ہے، لیکن اس کے باوجود یہ کبھی نہیں ہوتا اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ صوم کبور کی ابتداء ہل‌سنکی کا یہودی تل‌ابیب کے وقت کے مطابق کرسکے، کیوں کہ مطالع کا فرق اس کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ صومعات میں عبادتیں ایک وقت میں ہوتی ہیں اور نہ صوم کبور اور فسیح ایک ہی وقت میں ہوتا ہے۔

دنیا کی اس صورت حال پر غور کرنے کے بعد سوچئیے کہ ہماری یہ تمنا کہ ہماری نمازیں سب جگہ ایک ہی وقت میں ہوں اور ہمارے روزے سب جگہ ایک ہی وقت میں شروع ہو جائیں۔ کیسی معصوم طفلانہ تمنا نظر آتی ہے۔ اس تمنا کو کیا نام دیا جائیے؟

اب ذرا ایکنہ دوسری طرح غور کیجئے، کیا ساری دنیا کے مسلمانوں کو رمضان و عید کے لئے ایک ہی کلینڈر دے کر بلکہ ایک ہی نظام اوقات دے کر اور مطالع کے اختلافات کو نظر انداز کرکے ہم کوئی بڑی مفید خدمت انجام دیں گے اور کسی بہت ہی مضر نقص کی تکمیل کر دیں گے؟

رمضان کے روزے ۲ ہجری میں فرض ہوئے تھے اور پہلی نماز عید ۲ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ کے ایک میدان میں ادا کی گئی تھی چند سال تک تو مسلمان صرف مدینہ منورہ ہی میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاند کے ظہور حسی کے بموجب رمضان و عید کیا کرتے تھے، اس کے بعد عرب کے متعدد قبائل مسلمان ہوگئے۔ اور وہ سب اپنی اپنی جگہ پر مقامی مطلع کے بموجب چاند دیکھ کر رمضان اور عید کیا کرتے تھے۔ اور ان میں اختلاف بھی ہوجاتا تھا، کہیں رمضان یکشنبہ کو شروع ہوتا اور کہیں دوشنبہ کو، کہیں عید سہ شنبہ ہوتی اور کہیں دوشنبہ کو۔ ابن زمانہ سے

اب تک ہم ۱۳۹۲ رمضان اور عید کر چکے ہیں اور یہی سادہ سا طریقہ چاند دیکھ کر روزے شروع کرنے کا اور چاند دیکھ کر عید کرنے کا رائج رہا ہے۔ کوئی بتا سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے تفریق کلمۃالمسلمین یا اور کوئی مضر اثرات پیدا ہوئے ہیں۔ آخر وہ کونسا مضرت رساں نقص ہے جس کی تکمیل کے لئے یہ بے تابی اور جگر کاوی ہو رہی ہے۔ خود عہد رسالت میں ۱۰ھ میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں ذوالقعدہ اور ذی‌الحجۃ کے چاند میں اختلاف رؤیت ہوگیا۔ جس کے نتیجہ میں حجۃالوداع میں قیام عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا حالانکہ مدینہ میں ۹ ذی‌الحجہ شنبہ کے دن تھا۔ آخر، اس سے خرابی کیا واقع ہوئی۔؟

حج ایک ایسی عبادت ہے جس کا تمام تر تعلق مکہ مکرمہ اور اس کے قریب واقعہ ہونے والے منی، مزدلفہ اور عرفات سے ہے، اس میں مکہ کے مقامی مطلع کو معتبر سمجھا گیا۔ اور ہمیشہ اس کے لئے مکہ کا مقامی طلوع و غروب ہی معتبر سمجھا جاتا رہا ہے۔ عقلاً و عملاً ایسا ہی ہونا چاہئے اور یہی ہوا۔ اب آج اگر کوئی یہ کہے کہ طنجہ میں صبح ہوتی ہی نہیں جب حاجی عرفات میں پہنچ جاتے ہیں اور مراکش میں غروب آفتاب کو گھنٹوں باقی ہوتا ہے جب حاجی عرفات سے روانہ ہوکر مزدلفہ کی طرف چل پڑتے ہیں، اس لئے کسی حاجی کا حج صحیح نہیں ہوتا تو اس آدمی کی عقل و دانش کو کیا کہیں گے؟ یا کوئی یہ سوچے کہ جب حاجی عرفات میں پہنچتے ہیں اس وقت انڈونیشیا کے جزیرہ تیمور میں نہ صرف زوال آفتاب ہو چکتا ہے بلکہ ظہر کا وقت بھی ختم کے قریب ہوتا ہے۔ اور عرفات میں جب ظہر کی نماز ہوتی ہے اس وقت شنگھائی میں رات ہوتی ہے۔ اس وجہ سے امت اسلامیہ کی یکجہتی اور اتفاق میں خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو اس دانشور کی دانشوری پر ماتم کرنے کے سوا کوئی اور کیا کرسکتا ہے؟

یہ کیسی دانشوری اور جدت پسندی ہے کہ ایک بے فائدہ اور محض

طفلانہ ضد کی تکمیل کے لئے ہم قدرت کے بنائے ہوئے نظام سے ٹکر لینے اور منہ کی کھائیں۔ روزے اور عید کسی ایک مقام سے متعلق عبادتیں نہیں ہیں یہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور عملاً ساری دنیا میں مسلمان روزے رکھتے اور عیدالفطر کے دوگانے ادا کرتے ہیں۔ اب اگر ہم رصد گاہوں کی امداد سے اور حسابی نتایج کے رو سے ایک وقت مقرر کریں گے تو کیا خود یہ عمل ایک بہت بڑے اختلاف کا دروازہ نہیں کھول دے گا؟ بلکہ عبادات میں بے جا دخل اندازی کے راہ نہیں ہموار کردے گا؟

ذرا سوچئے! کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم اس طرح امت مسلمہ کی خدمت انجام دینے کی بجائے، اس کو نقصان پہنچانے کا سبب بن جائیں گے۔ ایک ملک میں بلکہ ایک ہی شہر میں بھی اگر دو عیدیں ہو جائیں تو برا سا معلوم ہوتا ہے، لیکن صرف بہ ظاہر برا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، اور نہ آج تک کوئی نقصان پہنچا ہے۔

اگر اس بدنمائی کو ختم کرنے ہی کا عزم ہے تو ہر شہر اور ہر ضلع میں رویت ہلال کا مناسب اور قابل اعتماد انتظام کافی ہے۔ وہ بھی اس حد تک کہ مقامی طور پر رویت ہلال کی شہادت مہیا کی جائے اور اس شہادت کو اگر وہ قابل قبول ہو بنیاد بنا کر اس شہر یا ضلع میں رمضان و عید کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے۔ اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ طہران میں رویت ہلال کی شہادت پر زاھدان والوں کو رمضان کی ابتداء کرنے پر مجبور کیا جائے اور نوشکی کی شہادت پر عید کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ مملکتوں کے سیاسی حدود طلوع و غروب کے حدود نہیں ہیں۔ زاھدان سے نوشکی کا فاصلہ طہران سے زاھدان کے فاصلہ سے بہت کم ہے۔ رمضان اور عید کسی مملکت کے انتظامی امور نہیں ہیں کہ اس میں حدود مملکت کو معتبر قرار دیا جائے۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ رمضان کے روزے پشاور میں چہار شنبہ

۱۸ ستمبر کو شروع ہو جائیں ، اور کراچی میں پنجشنبہ ۱۹ ستمبر کو شروع ہوں ۔ نہ اس سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے ۔ اور نہ اس سے کسی نقصان کا اندیشہ ہے ۔ اس لئے سب جگہ کے لئے ایک وقت میں رمضان و عید شروع کرانے کی ہر کوشش کو فوراً ختم کردینا چاہئیے ۔ مسلمانوں کے باہم مل کر کرنے کے اور بہت سے کام ہیں جن کی طرف توجہ مبذول ہونی چاہئیے، اس طفلانہ اور غیر دانشورانہ کام میں وقت اور توانائی کے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟

(۲) شریعت اسلامی کے بموجب شہر رمضان کسے کہتے ہیں ؟

قرآن مجید میں ہے۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدیً للناس و بینات من الہدیٰ و الفرقان؛ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ و من کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر، یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر و لتکملوا العدۃ و لتکبروا اللہ علی ما ہدیکم و لعلکم تشکرون ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۵) ۔

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ۔ (قرآن) ہدایت ہے، ہدایت و اعجاز کی بین دلیلیں ہیں تو جو تم اس مہینہ میں موجود ہو اسے چاہئے کہ اس ماہ کے روزے رکھے، اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اتنے ہی روزے دوسرے دنوں میں رکھ لے ۔ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی ہو ۔ چاہئے کہ اتنی ہی گنتی پوری کردو ۔ اور اللہ نے تم کو جو ہدایت دی ہے اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو، اور تاکہ تم شکر گزار ہوجاؤ ۔

اس آیت سے پہلے کی آیت ۱۸۴ میں بھی روزوں کی فرضیت کا بیان ہے اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں بھی روزہ ہی کے متعلق احکام و ہدایات ہیں ۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس رمضان کے مہینہ میں روزے رکھنے کا حکم دیا ہے وہ وہی رمضان ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ۶۱۰ عیسوی گریگوری میں ہوا تھا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ وہ رمضان کیا پیدائش قمر (برتھ آف نیو سون) سے شروع ہوا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے صحابہؓ کرام نے رمضان کا شمار پیدائش قمر سے کیا تھا؟ یہ تو معلوم ہے کہ پیدائش قمر رویت ہلال سے بہت سے گھنٹے پہلے ہوتی ہے اور آج ہی نہیں اس وقت بھی لوگوں کو معلوم تھا۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پیدائش قمر سے ماہ رمضان کی ابتداء نہ اس وقت کی گئی تھی اور نہ اب کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایتہ صحیحہ حضرت علی رضی اللہ عنہہ روایت کرتے ہیں کہ:

(۱) الا لا تقدموا الشہر اذا رأیتم الہلال فصوموا و اذا رأیتموہ فافطروا فان غم علیکم فاتموا العدۃ۔ (مسند اہل البیت)۔

خبردار ماہ رمضان کو آگے نہ بڑھالو، جب چاند دیکھو تو روزے رکھو اور جب چاند دیکھ لو تو افطار کرلو، اگر چاند پر بادل ہو اور نہ دیکھ سکو تو (شعبان کی گنتی ۳۰ دن) پوری کرلو۔

(۲) الشہر تسع و عشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملو العدۃ ثلثین، (صحیح البخاری ص ۲۵۶)

مہینہ ۲۹ راتوں کا ہوتا ہے، جب تک چاند نہ دیکھو روزے نہ رکھو، اگر چاند نہ دکھائی دے تو تیس کی گنتی پوری کرلو (کتاب الصوم)۔

حضرت علی سے روایت ہے کہ:

(۳) عن ابی عبداللہ علیہ السلام انہ قال کان علیؑ صلوات اللہ علیہ یقول لا اجیز فی الہلال

حضرت ابو عبداللہ (امام حسین) علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، حضرت علی صلوات اللہ علیہ فرمایا

الا شهادة رجلين عدلين وفي رواية کرتے تھے کہ میں چاند کے بارے میں
و ليس بالراى ولا بالتظني دو عادل آدمیوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ
(فروع کافی کلینی ص ٣٦٠) نہیں کروں گا۔ اور ایک روایت میں ہے
کہ یہ رائے اور ظن سے نہیں ہوگا۔

یہ صرف تین روایتیں طول کلام سے احتراز کے لئے نقل کی گئیں ہیں ورنہ احادیث میں ایسی بہت سی صحیح روایتیں موجود ہیں جن میں رمضان کو مقدم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور چاند دیکھ کر رمضان کے شروع و ختم کرنے کی تاکید موجود ہے۔

بہر حال، یہ بات یقینی ہے کہ جس رمضان میں نزول قرآن مجید کی ابتداء ہوئی تھی یا وہ رمضان جس میں ٢ھ میں روزہ فرض کیا گیا تھا وہ پیدایش قمر (برتھ آف نیو مون) سے نہیں شروع ہوئے تھے۔ اب اگر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ فرمان و عمل نبوی اور عمل صحابہ، سب سے اختلاف کرکے رمضان کی ایک یا دو دن پہلے ابتداء کر دیں۔ تو آخر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ ہر سال فروری کے مہینہ کو کیوں نہ رمضان قرار دیں لیں۔ ٢ ہجری کا رمضان مدینہ منورہ میں ازروئے حساب گریگوری ٢٥ یا ٢٦ فروری ہی کو شروع ہوا تھا۔ اس طرح یہ بھی فائدہ رہے گا کہ رمضان کبھی سخت گرمیوں میں پڑتا ہے اور کبھی برسات میں۔ فروری کو اگر رمضان قرار دے لیا جائے تو ہمیشہ سردیوں میں اور بڑے نرم دلوں میں روزے پڑا کریں گے اور روزے بھی ٢٨ ہی رکھنے پڑیں گے کیا مسلمان اپنی عبادت کے مہینہ رمضان میں یہ تبدیلی پسند کریں گے؟ اور اگر خدانخواستہ مسلمان یہ کرلیں تو یہ خدا اور رسول کے حکم سے صریح رو گردانی اور عصیان نہ ہوگا؟ اس بغاوت کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان خدا اور رسول کے فرماں بردار بھی رہ جائیں گے؟

(۳) پیدائش قمر (یعنی برتھ آف نیو مون) کیا ہے؟

قدرت نے یہ نظام جس طرح قایم کیا ہے وہ یہ ہے کہ چاند اپنے محور پر حرکت کرنے کے علاوہ زمین کے گرد بھی حرکت کرتا ہے اور اپنی یہ حرکت ۲۹ دن اور چند گھنٹے میں پوری کر لیتا ہے یعنی زمین کے گرد ایک پورا چکر اتنے دنوں میں تمام کرتا ہے، اس مدت کو اصطلاحاً قمری مہینہ کہا جاتا ہے۔ اس مدت میں چاند تقریباً ۲۴ گھنٹے دائرہ کے ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں سے سورج کی روشنی اس پر پڑ کر جب منعکس ہوتی ہے تو زمین پر نہیں پہنچتی۔ اس مدت کا اصطلاحی نام محاق ہے، اس بیئت میں زمین والوں کو چاند کسی وقت دکھائی نہیں دیتا۔ چاند ہوتا ہے اپنے مدار ہی پر اور جو زہر (ایک فرضی دائرہ) کے اندر ہی۔ اور سورج کی کرن اس پر پڑتی ہی رہتی ہے مگر انعکاس ضوء جس زاویہ پر ہوتا ہے وہ زمین سے الگ ہوتا ہے۔ کسی اور ستارہ سے دیکھا جائے یا زمین سے اتنے فاصلہ سے دیکھا جائے کہ زمین کا سایہ حائل نہ ہو تو چاند اس مدت میں بھی چمکتا ہی نظر آئے گا۔ البتہ زمین سے یہ نظر نہیں آسکتا۔

چاند جب یہ فاصلہ تقریباً ۲۴ گھنٹے میں طے کر چکتا ہے اور اپنے مدار پر اس جگہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے اس پر پڑنے والی سورج کی کرنیں منعکس ہو کر زمین پر پڑنے لگتی ہے تو اس وقت کو چاند کی پیدایش کا وقت (برتھ آف نیو مون) کہتے ہیں۔ سنسکرت میں اسے سوم جنم کہا جاتا ہے۔

دن کے وقت سورج کی روشنی کی وجہ سے چاند دکھائی نہیں دیتا اسی طرح شفق کی روشنی بھی رویت ہلال سے روکتی ہے۔ اس لئے پیدایش قمر کے بعد جن جن مقامات پر غروب آفتاب اتنی دیر کے بعد ہوتا ہے کہ چاند مقامی افق پر کم از کم ۱۲ درجہ بلند ہو چکا ہو وہاں لئے قمری مہینہ کا چاند دکھائی دیتا ہے اور جہاں کے افق پر چاند کے ۱۲ درجہ بلند ہونے سے

پہلے سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے وہاں چاند شفق کی سرخی کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور دکھائی نہیں دیتا ہے۔ چونکہ یہ شب چاند کی پیدایش کے بعد کی دوسری شب ہوتی ہے اس لئے اس کو چندرماں دوج کہا جاتا ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ رویت ہلال اس شام کو ہوگی۔ ہندی کے ایک شاعر کا مشہور شعر ہے:

آج چندرماں دوج ہے جگ چتوت اوہ کی اور
موریے دور وا متر کے نین ہوئے اک ٹھور

جیسے رویت ہلال کا وقت ساری زمین کے ہر افق پر ایک نہیں ہو سکتا اور یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ ساری دنیا میں رویت ہلال ایک ہی وقت پر ہوجائے بالکل اسی طرح پیدایش قمر کا وقت بھی ساری دنیا کے لئے ایک نہیں نہیں ہوسکتا۔ زمین کا آدھا حصہ سورج کی محاذاۃ سے اور آدھا حصہ چاند کی محاذاۃ سے خارج ہوتا ہے۔ اس لئے پیدایش قمر کا وقت بھی مختلف حصہ زمین کے لئے مختلف ہوتا ہے۔

اس بات کو ذہن نشین کرکے سوچئے کہ اگر ہم رمضان کی ابتداء و انتہا کے لئے رویت ہلال نہیں بلکہ پیدایش قمر کو نقطہ آغاز قرار دیں تو نہ صرف یہ کہ ہم خدا و رسول کے صریح احکام کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے بلکہ اس گناہ کے بعد بھی اختلاف مطالع کی وجہ سے اسی گرداب میں گرفتار رہیں گے جو رویت ہلال میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جہاں تک اوقات میں اختلاف کا تعلق ہے اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آئے گا۔ ہر افق کے لئے پیدایش قمر کا الگ الگ حساب کرنا ہی پڑے گا۔ اور ایک ایسا جدول بنانا پڑے گا جو بارہ گھنٹوں کے باریک باریک فرق کو ہر ہر افق کے ساتھ ظاہر کر سکے۔

(۳) اب ایک صورت اور رہ جاتی ہے اس پر بھی لگے ہاتھوں غور کرتے

چلیں، وہ صورت یہ ہے کہ ہم رمضان کے مہینہ کی ابتداء تو کرنی ظہور قمر سے، یعنی چندرمان کے جنم سے نہیں بلکہ چندرمان دوج سے لیکن اس کے لئے حساب کو کافی قرار دیں رویت ہلال یعنی چاند دکھائی دینے کی شرط کو ختم کر دیں۔

ایسا طریقہ اختیار کرنے میں ہم دو قسم کے وبالوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اول تو یہ کہ خدا اور رسول کے حکم سے تجاوز بلکہ نافرمانی کے مرتکب ہوں گے۔ قرآن مجید میں جہاں صلوۃ کا لفظ آیا ہے وہاں اس کی پوری ہئیت اور طریقہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے تعین کہ کتنی رکعتیں کس وقت پڑھی جائیں گی، کس طرح پڑھی جائیں گی، ایک رکعت میں قیام، ایک رکوع، ایک قومہ دو سجدے وغیرہ وغیرہ یہ ساری تفصیلات ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ملی ہیں۔ ہم اگر ان چیزوں میں سے سب کو یا کسی ایک کو بدل دیں تو وہ چاہے کچھ کہلائے، اللہ و رسول کی بتائی ہوئی عبادت صلوۃ (نماز) نہیں ہوگی۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رمضان شریف کے روزوں کا حکم دیا ہے۔ روزہ کیا ہوتا ہے، کیسے رکھا جاتا ہے، اور رمضان شریف کی ابتداء و انتہا کیسے ہوتی ہے، یہ ساری باتیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے حاصل ہوتی ہیں۔ اگر ہم ان سے رو گردانی کرکے کوئی اور طریقہ اختیار کریں گے تو وہ رمضان نہیں ہوگا۔ اور نہ ہمارے روزے اللہ و رسول کے بتائے ہوئے عبادتی روزے ہوں گے۔ ہم چاہے اس کا کچھ بھی نام رکھ لیں اسے عبادت نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ عبادت نام ہے فرمانبرداری کا۔ عقلی و علمی جولانیوں کا کا نام عبادت نہیں ہوسکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص ہر رکعت میں صرف ایک ہی سجدہ کرے اور دوسرے سجدہ کو غیر ضروری قرار دے کر چھوڑ دے تو یہ نماز عبادت نہیں ہوگی۔ تعبدی امور میں اس قسم کی من مانی

کرنے کی گنجایش نہیں ہوا کرتی ہے۔

دوسرا وبال جو اس طریقہ میں آتا ہے وہ اختلاف مطالع کی پابندی کے ساتھ طویل جدولوں کی تیاری کا کام ہے، کرۂ زمین کے مختلف حصوں میں ظہور قمر کے وقت کی تعیین کرنی پڑے گی۔ ہم حساب کی مدد سے یقیناً اس کی تعیین تقریباً یقینی حد تک کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ ہر سال کے رمضان کی ابتداء میں زمین کا فاصلہ سورج سے یکساں نہیں رہتا۔ اور نہ محاذاۃ شمسی و قمری کی حالت ایک سی رہتی ہے۔ اس لئے ہر سال کے لئے علیحدہ اور جدید جدول بنانا پڑے گا۔ ایک سال کے لئے جو جدول بالکل صحیح ہوگا وہ دوسرے اور تیسرے سال میں صحیح نہیں رہے گا۔ زمین کا مدار سورج کے گرد بیضوی ہے گول نہیں ہے۔ کبھی زمین سورج سے قریب ہوتی اور کبھی بعید۔ قریب ہونے کی حالت میں محاذاۃ کا دائرہ تنگ ہوجاتا ہے اور بعید ہونے کی حالت میں پھیل جاتا ہے، اس کا اثر ظہور پر پڑتا ہے۔ زمین کی حرکت سورج کے گرد کبھی سریع ہوتی ہے اور کبھی بطئی اس کا اثر پیدایش قمر پر پڑتا ہے۔ فاصلہ کے بدلنے سے انعکاس ضوء متاثر ہوتا ہے۔

ان ساری باریکیوں پر قابو پاکر ہم اگر ہر سال ایک نیا جدول بنا بھی لیں تو پھر ہمیں ہر مسلمان تک اس کے پہنچانے کی ایک لا ینحل دقت سے واسطہ پڑتا ہے۔ کیا ہم دور افتادہ جزیروں، دیہاتوں اور جنگلوں میں زندگی بسر کرنے والے سارے مسلمانوں تک یہ جدول پہنچا سکیں گے؟ اگر نہیں تو پھر کیا ہوگا۔ شہروں کے رمضان اور ہوں گے اور دیہاتوں کے اور پھر ان ساری پریشانیوں، جگر کاویوں اور اللہ و رسول کے احکام کی نافرمانیوں سے حاصل کیا ہوا؟

خلاصہ یہ کہ رمضان کے لئے ازروئے حساب چاند نکلنے کے وقت کی تعیین اور اس پر ساری دنیا کے مسلمانوں سے عمل کرانے کی تمنا محض بے

فائدہ، ناقابل عمل اور طفلانہ قید کے سوا کچھ نہیں ہے اس عمل سے فائدہ تو نہیں البتہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ رمضان اور عید میں جو اختلاف وقت دکھائی دیتا ہے وہ اختلاف مطالع کی وجہ سے ہے یہ باقی رہے گا۔ اس کے باقی رہنے سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی اور کبھی پیدا نہیں ہوگی۔ البتہ اس کے مٹانے کی کوشش سے بہت سی خرابیوں کے پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے

رمضان کی ابتداء و انتہا دونوں رویت ہلال ہی سے ہونی چاہئیں۔ اس کے خلاف ہر کوشش اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کے خلاف ہے۔ ہمیں اس سے احتراز لازم ہے۔ اس سے افتراق امت کا اندیشہ ہے اور اختلافات کے بہت بڑے بڑے دروازے کھل جانے کے علاوہ عبادات اور دینی امور میں بے ضرورت دخل اندازی پر دانشوری کے مدعیوں کی جرأت اور بڑھ جائے گی جو ہمارے لئے کسی طرح مفید نہیں ثابت ہو سکتی۔

حسابات کے ذریعہ ہم یہ تو کردیں گے کہ چاند کس مقام پر کب اور کس وقت دکھائی دے گا۔ لیکن یہ یقین ہم نہیں دلا سکتے کہ حقیقۃً اس مقام پر چاند ضرور دکھائی دے اور جب نہیں دکھائی دے گا تو اس جگہ جدول کے خلاف لوگ ایک طوفان برپا کردیں گے، اور ایک جدید قسم کے فتنہ سے امت مسلمہ کو دوچار ہونا پڑے گا۔

اگر ابتدائے رمضان کے لئے رویت ہلال کی شرط ہم ہٹا دیں تو ہم فرمان نبوی اور عمل صحابہ کی صریح مخالفت کے مرتکب ہوں گے اور فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ حج کا تعلق ایک ہی افق سے ہے اور حاجی ایک ہی جگہ جمع ہوتے ہیں وہاں اگر حسابی طریقہ پر تاریخ حج کی تعیین کردی جائے یا کردی جاتی ہے تو حکومتی نظم و نسق اور ایک ہی جگہ سب کے جمع ہونے کی وجہ سے کام چل جاتا ہے، اگرچہ یہ طریقہ صرف حج کے لئے بھی خلاف سنت

اور نہایت ہی مکروہ طریقہ ہے۔ تو دن کا طویل وقت ہوتا ہے، پہلے کی طرح رویت کی شہادت لے کر اعلان کر دیا جائے یہی بہتر ہے لیکن رمضان و عید کے لئے تو یہ طریقہ کبھی نہیں چل سکتا، ہر جگہ کے مسلمان روزے رکھتے اور نماز عید پڑھتے ہیں، سب کے لئے مقامی مطلع کو نظر انداز کردینے کا یہ طریقہ نہ قابل قبول ہو سکتا ہے، اور نا قابل قبول ہونا چاہئیے ۔